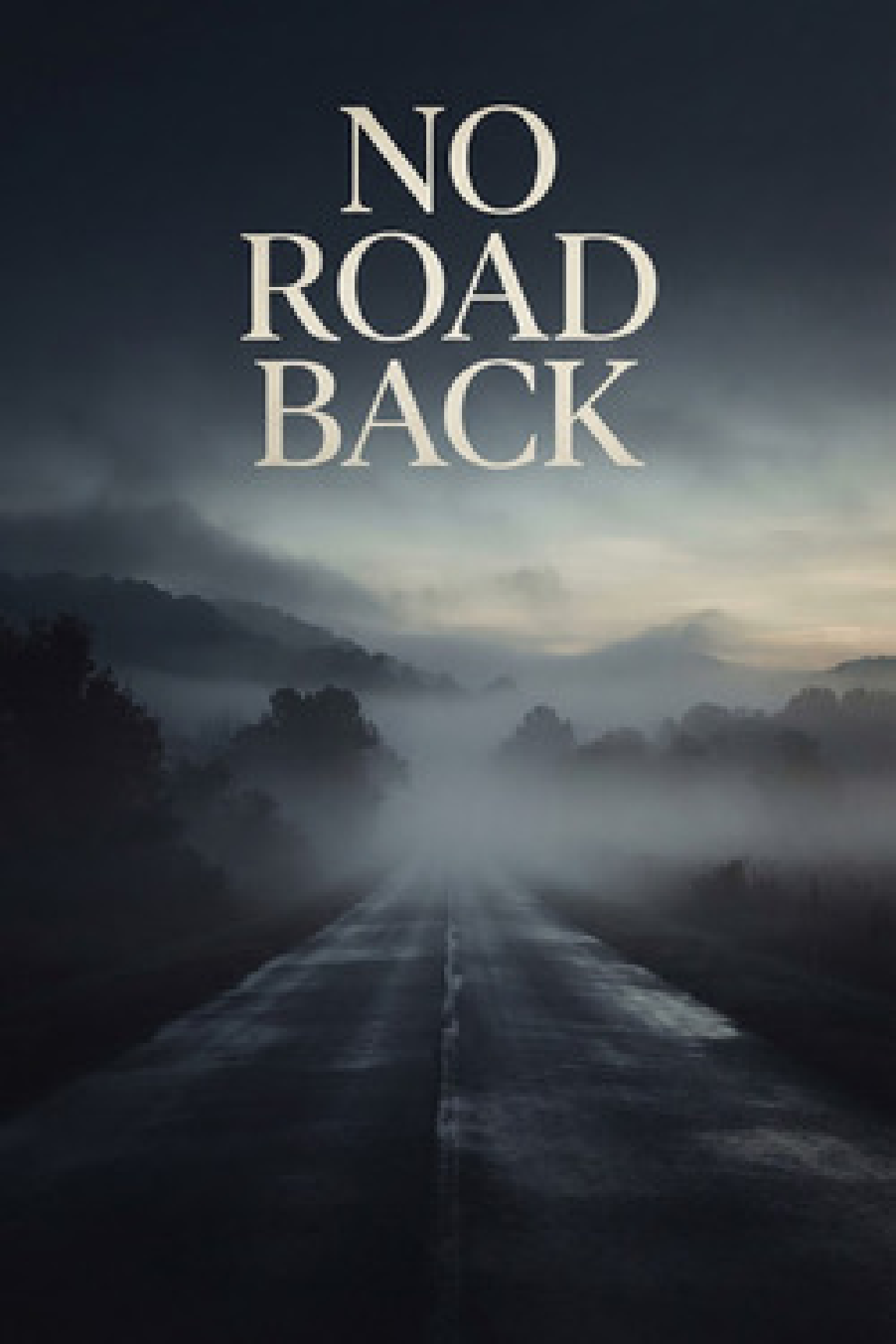

NO
ROAD
BACK

حصہ دوم

دہلیز 4

واپسی کا کوئی راستہ نہیں

کچھ سفر روانگی سے شروع ہوتے ہیں۔

اور کچھ نقصان سے۔

یہ دوسری قسم کا ہے۔

ایک عرصے تک میں سمجھتا رہا کہ واپسی جغرافیے کا معاملہ ہے۔

ایک جگہ چھوڑنا۔

ایک فاصلہ طے کرنا۔

نقطۂ آغاز پر لوٹ آنا۔

یہ ایک سادہ تعریف تھی۔

سہل۔

اور غلط بھی۔

سال گزرنے کے ساتھ مجھے پتہ چلا کہ کچھ واپسیاں کسی نظر آنے والی جگہ تک نہیں لے جاتیں۔

کیونکہ جہاں پہنچنا ہے وہ جگہ اب موجود نہیں۔

یا کبھی تھی ہی نہیں۔

یا ہم اتنا بدل چکے ہیں کہ اسے پہچان نہیں سکتے۔

اور پھر بھی لوٹنے کی طلب باقی رہتی ہے۔

یہ انسان کی گہری ترین تڑپوں میں سے ایک ہے۔

ہم اُس وقت میں واپس جانا چاہتے ہیں جب چیزیں زیادہ سادہ لگتی تھیں۔

زیادہ صاف۔

زیادہ منظم۔

ہم اُن لوگوں کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں جنہیں ہم کھو چکے ہیں۔

اُن مواقع کی طرف جو ہاتھ سے نکل گئے۔

اُن فیصلوں کی طرف جو کیے نہ گئے۔

اُن لمحوں کی طرف جب زندگی ابھی ہر امکان کے لیے کھلی لگتی تھی۔

مگر وقت کچھ واپس نہیں کرتا۔

یہ اس کا کاروبار نہیں۔

وقت بدل دیتا ہے۔

واپس کبھی نہیں کرتا۔

کچھ سال ایسے تھے جن میں میں ناممکن واپسیوں کے پیچھے بھاگتا رہا۔

میں نے یہ بےخبری میں کیا۔

میں نے اپنے پرانے روپ واپس پانے کی کوشش کی۔

وہ نوجوان۔

وہ پیشہ ور۔

وہ بیٹا۔

وہ آدمی جسے یقین تھا کہ وہ جانتا ہے کہاں جا رہا ہے۔

ہر کوشش کا انجام ایک ہی تھا۔

ایک مایوسی۔

کیونکہ وہ شخص اب موجود نہیں تھا۔

اور یہی ٹھیک تھا۔

ایک صبح مجھے ایک بات سمجھ آئی جس نے ماضی کو دیکھنے کا میرا انداز بدل دیا۔

میں دراصل واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔

میں ایک احساس واپس پانا چاہتا تھا۔

ایک یقین۔

ایک شناسائی۔

دنیا کا وہ روپ جس میں سوال جوابوں سے کم لگتے تھے۔

مگر زندگی وقت کے اندر سفر پیش نہیں کرتی۔

وہ صرف تبدیلیاں پیش کرتی ہے۔

تب میں واپسی کو الگ نظر سے دیکھنے لگا۔

اُس کی طرف حرکت کے طور پر نہیں جو میں تھا۔

بلکہ اُس کی طرف پیش قدمی کے طور پر جو میں بن چکا تھا۔

فرق بہت بڑا ہے۔

جب ہم واپس جانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم وقت سے لڑتے ہیں۔

جب ہم آگے بڑھنا قبول کر لیتے ہیں تو ہم آخرکار اسے سمجھنے لگتے ہیں۔

بہت سے لوگ ساری عمر ایک گھر ڈھونڈتے گزار دیتے ہیں۔

وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی جگہ ہے۔

ایک شہر۔

ایک گلی۔

ایک ملک۔

پھر وہ دن آتا ہے جب انہیں پتہ چلتا ہے کہ گھر روح کی ایک کیفیت ہے۔

اور کوئی جغرافیائی نقطہ اس کی ضمانت نہیں دے سکتا۔

اپنی زندگی میں میں نے بہت سے ملک عبور کیے۔

بہت سی ثقافتیں۔

بہت سی زبانیں۔

ہر بار میں نے کچھ پیچھے چھوڑا۔

ہر بار میں نے کچھ اور سمیٹا۔

بےخبری میں میں تجربات کا ایک زندہ ذخیرہ بنتا جا رہا تھا۔

مختلف جگہوں سے بنی ہوئی ایک پچی کاری۔

ایک وقت آیا جب میں نے خود سے یہ پوچھنا چھوڑ دیا:

"میں کہاں کا ہوں؟"

اور یہ پوچھنے لگا:

"میں اپنے ساتھ کیا لیے پھرتا ہوں؟"

دوسرا سوال کہیں زیادہ کارآمد تھا۔

کیونکہ وابستگی بدلتی ہے۔

سرحدیں بدلتی ہیں۔

نقشے بدلتے ہیں۔

جو ہم اندر لیے پھرتے ہیں، وہ البتہ سفر کرتا رہتا ہے۔

مجھے کچھ راتیں یاد ہیں جن میں بےسمتی کا احساس معمول سے زیادہ تھا۔

وہ راتیں جب ہر چیز دور لگتی تھی۔

لوگ۔

جگہیں۔

یقین۔

میں خود بھی۔

اُن لمحوں میں سب سے پرانی ترغیب سر اٹھاتی تھی۔

واپس جانا۔

کیے کو اُلٹ دینا۔

بحال کرنا۔

کسی پہلے کے نقطے سے دوبارہ شروع کرنا۔

مگر ہر بار حقیقت نے مجھے وہی سچ دکھایا۔

کوئی پہلے کا نقطہ نہیں ہوتا۔

صرف موجودہ نقطہ ہوتا ہے۔

اور یہ انتخاب کہ اس کا کیا کرنا ہے۔

وقت کے ساتھ میں نے ماضی کو منزل نہیں بلکہ ایک کتب خانہ سمجھنا سیکھا۔

ایک جگہ جہاں جایا جائے۔

جہاں بسا نہ جائے۔

کیونکہ جو ماضی میں رہتے ہیں وہ آہستہ آہستہ حال میں رہنا چھوڑ دیتے ہیں۔

اور حال کے بغیر کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔

وہ لوگ جن سے میں نے محبت کی۔

وہ شہر جو میں نے عبور کیے۔

وہ مواقع جو میں نے کھوئے۔

کامیابیاں۔

شکستیں۔

سب کچھ موجود رہا۔

مگر ایک الگ شکل میں۔

لکھے جا چکے صفحوں کی طرح۔

جو دوبارہ پڑھے جائیں۔

دوبارہ لکھے نہ جائیں۔

یہ ایک رہائی تھی۔

کیونکہ میں نے آخرکار وہ ڈھونڈنا چھوڑ دیا جو واپس نہیں مل سکتا تھا۔

اور اپنی توانائی اُس میں لگانے لگا جو ابھی بنایا جا سکتا تھا۔

تضاد یہ ہے کہ ٹھیک اُسی لمحے ماضی نے میرا پیچھا چھوڑ دیا۔

جب میں نے اسے منزل سمجھنا چھوڑ دیا۔

لوگوں کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔

بہت سے میری زندگی سے چلے گئے تھے۔

کچھ اپنی مرضی سے۔

کچھ مجبوری سے۔

اور کچھ محض وقت کے کام سے۔

پہلے میں ان غیرحاضریوں کو نقصان سمجھتا تھا۔

پھر مجھے سمجھ آیا کہ کچھ موجودگیاں مختلف طریقوں سے قائم رہتی ہیں۔

اُن سبقوں میں جو وہ چھوڑ گئے۔

یادوں میں۔

رویوں میں۔

اُن فیصلوں میں جو مجھ پر اثر ڈالتے رہے۔

یہ بھی ایک واپسی تھی۔

لوگوں کی نہیں۔

اُن کے معنی کی۔

شاید پختگی بالکل اسی میں ہے۔

یہ سمجھ لینا کہ کوئی چیز اپنی اصل شکل میں واپس نہیں آتی۔

مگر تقریباً ہر چیز نئی شکل میں زندہ رہ سکتی ہے۔

آخر میں میں نے واپسی کا راستہ ڈھونڈنا چھوڑ دیا۔

کیونکہ مجھے وہ بات سمجھ آ گئی جو کسی نقشے نے کبھی نہیں دکھائی تھی۔

میں کہیں واپس نہیں جا رہا تھا۔

میں پہنچ رہا تھا۔

اپنے اُس روپ تک پہنچ رہا تھا جو ساری روانگیوں، سارے نقصانوں، ساری ملاقاتوں اور ساری تبدیلیوں سے بنا تھا۔

اور تبھی وہ تضاد خود ہی حل ہو گیا۔

جس واپسی کو میں برسوں ڈھونڈتا رہا، وہ ماضی کی طرف نہیں لے جاتی تھی۔

وہ مجھ تک لے جاتی تھی۔

اسی لیے کہیں نہیں سے واپسی کی بات کرنا درست ہے۔

اس لیے نہیں کہ کوئی منزل نہیں تھی۔

بلکہ اس لیے کہ اُس منزل کا کوئی پتہ نہیں تھا۔

وہ ایک ایسی جگہ تھی جس کا کوئی جغرافیہ نہیں۔

کوئی سرحد نہیں۔

کوئی محلِ وقوع نہیں۔

ایک ایسی جگہ جسے میں ساری عمر عبور کرتا رہا مگر پہچان نہ سکا۔

کہیں نہیں سے واپسی۔

اُس کی طرف واپسی جو میں بن چکا تھا۔